Checked 1987

# تذکرۃ الرشید

## حصہ اوّل

CHECKED 1995

بامتثال امر صاحبزادہ حضرت مولانا الحافظ الحکیم مسعود احمد صاحب ادام اللہ ظلہ

(وتعمیل ارشادات)

سید المحدثین حضرت مولانا المولوی محمود حسن صاحب دیوبندی وقدوۃ الافاضل حضرت مولانا المولوی عبد الرحیم صاحب رائپوری وسند المتکلمین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹوی ادام اللہ ظلہم

(بندہ ضعیف)

عاشق الٰہی عفی عنہ نے جمع اور مرتب کیا اور حضرت مولانا الحافظ الحاج المولوی خلیل احمد صاحب کو من اولہ الی آخرہ الا بعض الحواشی ملاحظہ کرانیکے بعد بلالی سٹیم پریس ساڈھورہ میں طبع کرایا

صرف ٹائیٹل امیر المطابع میرٹھ میں باہتمام اصغر حسین مالک و مہتمم چھپوایا

بلا اجازت مولف کوئی صاحب قصد طبع نفرمایئں

# فہرست مضامین حصہ اول تذکرۃ الرشید


| مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| دیباچہ | ۲ | گرفتاری ورہائی | ۸۰ | اجوبہ شبہات ہدایہ | ۱۴۷ | بیعت مولانا خلیل احمد صاحب | ۲۱۶ |
| تمہید | ۹ | تدریس و دورہ حدیث | ۸۸ | شبہات از مولانا خلیل احمد صاحب زید مجدہ | ۱۵۶ | صاحبزادی کا نکاح | ۲۱۹ |
| اطلاع | ۱۲ | سہ دری | ۹۶ | | | صاحبزادہ کا نکاح | ۲۲۶ |
| ولادت | ۱۳ | نکات حدیث وقرآن | ۱۰۲ | شبہات فقہیہ و مسائل اختلافیہ | ۱۶۴ | دوسرا حج اور مجمع علماء | ۲۲۹ |
| طفولیت | ۱۸ | تفقہ اور افتاء | ۱۱۲ | | | فوٹو اندرون حجرہ ماخذ | ۲۴۲ / ۲۴۳ |
| تربیت وتکمیل شریعت | ۲۵ | مراسلہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ العالی | ۱۱۴ | فتاوے | ۱۸۰ | حج سوم | ۲۴۳ |
| نکاح | ۳۷ | | | تلامذہ | ۱۹۶ | سرپرستی مدارس و دستار بندی | ۲۴۶ |
| سلوک وتحصیل طریقت | ۴۰ | مراسلہ ثانیہ مولوی قاسم علی صاحب | ۱۳۶ | فوٹو صحن خانقاہ - ماخذ | ~~۱۹۵~~ ۱۹۶ | | |
| مطب | ۶۲ | | | بقیہ واقعات امور حج فرض | ۱۹۹ | الوداع اور درخواست | ۲۵۲ |
| الزام بغاوت | ۷۳ | جوابات شبہات علماء | ۱۳۹ | | | اشتہار عکسی اصلی فوٹو | ۲۵۳ |


## سوال

حصہ دوم کا طبع انشاء اللہ ختم سال پر ختم ہو جائیگا اسکے بعد پوری سوانح دوبارہ جدید ترتیب یا اضافہ مضامین مرتب کیجائیگی برادران دینی سے نہایت ادب کے ساتھ درخواست ہے کہ جو مضامین یاد آجائیں یا کوئی مضمون مندرجہ حصہ اول اصلاح طلب خیال فرماویں بہت ہی جلد اسکی اطلاع اور ایثار سے عزت بخشیں تاکہ شکریہ کے ساتھ درج سوانح ہو کر ذریعہ آخرت اور صدقہ جاریہ قرار پائے عاجز کی زلت وخطا کو بنظر کریمانہ دیکھیں اور بشریت پر محمول فرماویں بنگاہ اعتراض نہ دیکھیں کیونکہ کوئی بشر بے عیب ہونے کا کسی امر میں بھی دعوی نہیں کر سکتا اور میرے عذرات تو ظاہر ہیں وما علینا الا البلاغ

محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهٗ

الحمد للہ کہ امام ہمام قدوة الانام قطب العالم جنید عصر نعمان دوران بخاری وقت
حضرت مولانا الحافظ الحاج المولوی رشید احمد محدث گنگوہی قدس اللہ سرہ کی سوانح

بتسمیہ

# تذکرة الرشید

اخوان طریقت کی خدمت مین خصوصًا اور محبان سنت اہل اسلام کی خدمات مین عمومًا
پیش کرنے اور اپنے لئے باقیہ صالحہ ذخیرہ آخرت بنانیکی نیت سے باہتمام عاجز عاشق الٰہی

بلالی سٹیم ساڈھورہ مین طبع ہوئی

بار اول تین ہزار

عام قیمت عہ/

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہ ونستغفرہٗ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا وشفیعنا محمداً عبدہٗ ورسولہ۔ **اما بعد**

بندہ سراپا تقصیر **عاشق الٰہی** عفا اللہ عنہ جملہ اہل اسلام کی خدمت میں عموماً اور برادران طریقت کی بارگاہ میں خصوصاً کمال ادب کے ساتھ عرض رساں ہے کہ قطب العالم قدوۃ العلماء غوث الاعظم اسوۃ الفقہاء جامع الفضائل والفواضل العلیہ مجمع الصفات والخصائل البہیۃ السنیہ حامی دین مبین مجدد زمان وسیلتنا الی اللہ الصمد الذی لم یلد ولم یولد شیخ المشائخ مولانا الحافظ الحاج المولوی **رشید احمد** صاحب محدث گنگوہی قدس سرہ العزیز کی وفات ایسی وفات نہ تھی جسکا صدمہ کسی خاص حصۂ ملک یا مخص جماعت باشندگان تک قاصر رہا ہو چونکہ اس جانکاہ واقعہ اور روح فرسا سانحہ نے حسب مدارج تعلق دین ومحبت سنت نبویہ تمام مسلمانان ہند و دیگر بلاد کے دلوں کو تڑپایا اور رنج پہونچایا تھا اسلئے اس دلگداز صدمے سے خدام کے قلوب نے ابھی قرار بھی نہیں پکڑا تھا کہ چہار طرف سے معدن کمال کی سوانح مرتب کرنے کی خواہش وتمنا بلکہ اصرار والحاح کی آوازیں گونجیں اور تقاضے شروع ہوگئے۔ اس مبارک صدا کا بلند ہونا حقیقت میں ایک طبعی وفطرتی بات تھی جسپر قدرت نے دلوں اور زبانوں کو اس جانب متوجہ کیا تھا مگر بوجوہات چندان شوق بھری درخواستوں کی تعمیل یعنی گنگوہی بارگاہ علیہ وآستانہ قدسیہ کے حالات کی تسطیر میں کچھ دشواریاں اور دقتیں ایسی تھیں جنکا انحلال بشری قوت سے باہر تھا۔

اس زمانہ نے ایک جگہہ کی دوسری جگہہ بلکہ ایک ملک کی دوسرے ملک میں خبریں معلوم ہوجانیکے وسایل اس کثرت سے مہیا کر دئے ہیں کہ سطح زمین کا ہر آباد حصہ دنیا بھر کے بھلے برے حالات گھر بیٹھے

معلوم کر سکتا ہے اور انہیں ذرایع نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ اور دیگر ممالک کے مشاہیر بلاد میں یہ مضمون صاف کر دیا تھا کہ حضرت مولانا **رشید احمد** صاحب قدس سرہ کا توکل میں صبر و قناعت میں ریاضت و عبادت میں تقویٰ و طہارت میں مجاہدہ میں استقامت میں استغنا میں حب فی اللہ و بغض فی اللہ میں جسطرح کوئی مثل نہیں اسی طرح تبحر علمی میں وسعت نظر میں تفقہ میں تحدیث میں عدالت و ثقاہت میں حفظ و اتقان میں فہم و فراست میں اور روایت و درایت میں بھی کوئی نظیر نہ تھا پس بے نظیر شیخ وقت اور بے عدیل قطب زماں کی سوانح کوئی لکھے تو کیا لکھے بھلا جس مجسم نور اور سر تا پا کمال کا عضو عضو اور رواں رواں ایسا حسین ہو کہ عمر بھر ٹکٹکی باندہ کر دیکھنے سے بھی سیری نہو سکے اسکے کوئی محاسن بیان کرے تو کیا بیان کرے ؎

فدا ہو آپ کی کس کس ادا پر ادائیں لاکھ اور بیتاب دل ایک

ہمارے معزز مخدوم مولانا المولوی **محمد یحییٰ** صاحب کاندہلوی زید فضلہ سے جب کبھی کسی مخلص دوست نے عرض کیا کہ اس مہتم بالشان کام کی تکمیل آپ ہی کے مبارک ہاتوں ہو سکتی ہے کیونکہ حضرت قدس سرہ کا آپکے ساتھ پدرانہ شفقت برتاؤ آپ کا قرب اور ہر وقت کی حاضر باشی حالات و معمولات کی یادداشت اور حضرتؒ کی مزاج شناسی و رمز دانی وغیرہا امور کا قابل قدر ذخیرہ قدرت نے آپ ہی کے لئے مخصوص کر رکھا تھا پس آپ کا مخلوق پر اس احسان سے تساہل گویا بے مروتی و بے پروائی ظاہر کرنا ہے" مگر مولانا کے پاس اس درخواست کا سوائے سکوت کوئی جواب نہ تھا اور نطق میں کوئی جواب تھا تو صرف یہ کہ " میاں مجھے کچھ یاد نہیں مجھسے کیا لکھواتے اور کیا چاہتے ہو" حضرت قدس سرہ کی ساری سوانح یہ ہے کہ " خود جس ذات پاک پر مرمٹے اُسی پر مرمٹنے کی دوسروں کو تعلیم دی اور فرمایا کہ تم بھی مرمٹو " اسکے علاوہ مجھے کچھ یاد نہیں۔

حضرتؒ کے خاص متوسلین جنکی جانب نظر جاتی اور اُمید ہوتی تھی کہ ان حضرات سے سوانح حاصل ہونگے اوّل تو ابتدا ہی سے مشاغل میں مشغول اور اب تو ظاہری سنبھال کے ساتھ باطنی دیکھ بھال اور روک تھام کا بوجھ بھی سر آپڑا بنظر انصاف دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ واللہ العظیم انہیں حضرات کی عالی ہمتوں کے استقلال ہیں کہ اس بارگراں کے متحمل ہو رہے ہیں نہ رات کی خبر نہ دن کی پروا صبح ہو یا شام دوپہر ہو یا سہ پہر تحصیل معاش کے طرق بالائے طاق رکھکر متوکلانہ گزران پر تصنیف تالیف درس تدریس وعظ نصیحت ارشاد تلقین۔ فتاویٰ نویسی و دیگر ضروریات کی مراسلت و جوابات۔ مہمانوں کی خاطر و مدارات۔ اصلاح ناس کی تدابیر میں غور و فکر اور اُس کا تہیہ و انصرام غرض ایک خدمت ہو تو اُسپر نظر ڈالی جائے جہاں چھوٹی چھوٹی راتوں

# الزام بغاوت اور اُس کی کیفیت

کیا ظلم و ستم ہے کہ مسیحائے جہاں کو
جو گوشہ نشیں خود ہی گرفتارِ محن ہو

افساد و ستم پیشہ و سفاک کہا جائے
کس مُنہ سے اُسے مفسد و چالاک کہا جائے

شروع ۱۲۷۴ھ؁ ہجری نبوی ۱۸۵۷ء؁ وہ سال تھا جس میں حضرت امام ربّانی قدس سرّہ پر اپنی سرکار سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا اور مفسدوں میں شریک رہنے کی تہمت باندھی گئی اِس وحشتناک قصہ کا بقدرِ ضرورت تذکرہ بھی چونکہ سوانح کا جزو لازم ہے اسلئے مناسب ہے کہ ابتداءِ واقعہ سے لیکر انتہا تک اجمالی بیان کر دیا جائے۔

رمضان ۱۲۷۳ھ؁ یعنی مئی ۱۸۵۷ء؁ کا وہ طوفان جسکے تصور سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے ہندوستان کیا بلکہ دنیا بھر میں ایسا مشہور و معروف ہے کہ شاید دوسرا ہو سلطنت مغلیہ کا آخری دور اور لبریز ہو جانے والے پیمانہ شاہی کا پچھلا منظر یعنی بدنصیب خانماں برباد بہادر شاہ ظفر پادشاہ دہلی کا وہ بلاخیز سماں تھا جس میں کارتوسوں پر چربی لپیٹے جانے کی جھوٹی افواہ اُڑی اور غدر برپا کرنے کے چُھپے کُھلے مجمعوں میں چرچے شروع ہوئے تھے۔ تباہ ہونے والی رعایا کی نحوست تقدیر نے انکو جو کچھ بھی سُجھایا اُسکا اُنہوں نے نتیجہ دیکھا اور اُنکی نسل دیکھ رہی ہے۔ جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی اُنہوں نے کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔ فوجیں باغی ہوئیں حاکم کی نافرمان بنیں قتل و قتال کا بند بازار کھولا اور جوانمردی کے غرّہ میں اپنے پیروں پر خود کُلہاڑیاں ماریں۔ اِس بھیانک منظر میں ہزارہا بندگانِ خدا ناکردہ گناہ بھی پھانسی چڑھائے گئے جنکے بچے یتیم اور بیبیاں بیوہ ہوئیں۔ اطراف کے شہر شہر اور قصبہ قصبہ میں بدامنی پھیل گئی۔ حاکم کے انتظام کا اُٹھنا تھا کہ باہم رعایا میں برسوں کی دبی ہوئی عداوت نکلنے اور خدا جانے کس کس زمانہ کے انتقام لینے کا وقت آگیا کہ جدھر دیکھو مار پیٹ اور جس محل پر نظر کرو معرکہ آرائی و جنگ۔ اسی بلاخیز قصہ میں تھانہ بھون کا وہ فساد واقع ہوا جسمیں قاضی محبوب علی خاں کی مخبری سے حضرت مولانا پر مقدمہ قائم ہوا جسکی ابتدا یہ تھی کہ تھانہ کے رئیس قاضی عنایت علیخان کا چھوٹا بھائی عبدالرحیم خاں چند ہاتھی خریدنے سہارنپور گیا۔ وہاں اس آفت رسیدہ کا کوئی بنیا قدیمی دشمن کئی دن سے ٹھیرا ہوا تھا جسکو زمیندارانہ مخمصات میں عبدالرحیم کے ساتھ خاص عداوت تھی۔ دشمن نے اِس موقع کو غنیمت سمجھا اور فوراً حاکم ضلع سے جا رپورٹ کی فلاں رئیس بھی باغی و مفسد ہے چنانچہ دہلی میں کمک بھیجنے کے لئے ہاتھی خریدنے سہارنپور آیا ہوا ہے۔ زمانہ تھا اندیشہ ناک اور احتیاط کا یہی وقت

اُدڑگئی اور رئیس گرفتار ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پھانسی ہوئی اور تھانہ بھون کے نیک دل سرکاری خیرخواہ زمیندار کو مظلوم بھائی سے دنیا میں ہمیشہ کے لئے جُدا ہوجانے کی خبر ملی۔

اِس بدامنی کی حالت میں جسکو قصہ کی اصلیت ظاہر کرنے کے لئے مختصر الفاظ میں حاشیہ پر درج کردیا گیا ہے عام باشندگان قصبہ کی یہ حالت ہوئی گویا ان کا مربی و منتظم بادشاہ سر سے اُٹھ گیا اور شرعی و طبعی ضروریات و مخاصمات میں بھی کوئی خبرگیراں نہ رہا جسکی رائے پر عمل کریں پس یہ لوگ اعلیٰحضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بلا کسی حاکم کی سرپرستی کے گزران دشوار ہے گورنمنٹ نے باغیوں کی بغاوت کے باعث اپنا امن اُٹھالیا اور بذریعہ اشتہار عام اطلاع دیدی ہے کہ اپنی اپنی حفاظت ہر شخص کو خود کرنی چاہیے اسلئے آپ چونکہ ہمارے دینی سردار ہیں اسلئے دنیاوی نظم حکومت کا بھی بار اپنے سر رکھیں اور امیرالمومنین بنکر ہمارے باہمی قضیئے چکادیا کریں۔ اسمیں شک نہیں کہ اعلیٰحضرت کو انکی درخواست کے موافق انکے سر پر ہاتھ رکھنا پڑا اور آپنے دیوانی و فوجداری کے جملہ مقدمات شرعی فیصلہ کے موافق چندروز تک قاضی شرع بنکر فیصل بھی فرمائے۔ اسی قصہ نے مفسدوں میں شریک ہونیکی راہ چلائی اور مخبروں کو جھوٹی سچی مخبری کا موقع دیا۔ حضرت امام ربّانی قدس سرّہ دس برس ہوئے اعلیٰحضرت کو اپنے دین و دنیا کا سردار بنا ہی چکے تھے ہمیشہ آمد و رفت رہتی ہی تھی اب جبکہ ہر چہار طرف بدامنی تھی آپ کے لئے یہاں حاضر رہنے سے زیادہ بہتر کوئی جگہ دنیا میں نہ تھی اِدھر اعلیٰحضرت کو حکومت کے فیصلے اور شرعی قضایا میں لوگوں کی ضرورت تھی کہ حق بات میں اعانت کرتا رہے اِس لئے آپ اور مولانا محمد قاسم صاحب معہ دیگر خدام کے یہیں رہ پڑے۔

اِتنی بات یقینی ہے کہ اُس گھبراہٹ کے زمانہ میں جبکہ عام لوگ بند کواڑوں گھر میں بیٹھے ہوئے کانپتے تھے حضرت امام ربّانی اور نیز دیگر حضرات اپنے کاروبار نہایت ہی اطمینان کے ساتھ انجام دیتے اور جس شغل میں اِس سے قبل مصروف تھے بدستور اُن کاموں میں مشغول رہتے تھے کبھی ذرہ بھر اضطراب نہیں پیدا ہوا اور کسی وقت حبہ برابر تشویش لاحق نہیں ہوئی آپکو اور آپ کے مختصر مجمع کو جب کسی ضرورت کے لئے شاملی کرانہ یا مظفرنگر جانیکی ضرورت ہوئی غایت درجہ سکون و وقار کے ساتھ گئے اور طمانینت قلبی کے ساتھ واپس ہوئے۔ اِن ایّام میں آپکو اُن مفسدوں سے مقابلہ بھی کرنا پڑا جو غول کے غول پھرتے تھے۔ حفاظت جان کے لئے تلوار البتہ پاس رکھتے تھے اور گولیوں کی بوچھار میں بہادر شیر کی طرح نکلے چلے آتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربّانی اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم اور طبیب روحانی اعلیٰحضرت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے

ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں سے مقابلہ ہوگیا۔ یہ نبرد آزما دلیر جتھا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگ جانے یا ہٹ جانے والا نہ تھا اِس لئے اٹل پہاڑ کی طرح پا جما کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جان نثاری کے لئے طیار ہوگیا۔ اللہ رے شجاعت و جوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتہ پانی اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہوجائے وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لئے جم غفیر بندوقچیوں کے سامنے ایسے جمے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے ہیں چنانچہ آپ پر فیریں ہوئیں اور حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیر ناف گولی کھا کر شہید بھی ہوئے۔

حضرت مولانا قاسم العلوم ایک مرتبہ یکایک سر پکڑ کر بیٹھ گئے جس نے دیکھا جانا کہ کنپٹی میں گولی لگی اور دماغ پار کر کے نکل گئی اعلیحضرت نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھا اور فرمایا "کیا ہوا؟ میاں" عمامہ اُتار کر سر کو جو دیکھا کہیں گولی کا نشان تک نہ ملا اور تعجب یہ ہے کہ خون سے تمام کپڑے تر۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کو خادمانہ و مریدانہ تعلق پر اعلیحضرت کے ساتھ تو جو کچھ وابستگی تھی وہ تھی ہی مگر چچا پیر حضرت حافظ ضامن صاحب کے ساتھ بھی نہایت ہی درجہ مخلصانہ اُنس تھا اور حافظ صاحب بھی مولانا کے گویا جاندادہ عاشق تھے اُسی گھمسان میدان میں مولانا کو پاس بُلایا اور فرمایا "میاں رشید میرا دم نکلے تو تم میرے پاس ضرور ہونا" تھوڑی دیر گزری تھی کہ حافظ صاحب دھم سے زمین پر گرے معلوم ہوا کہ گولی کاری لگی اور خون کا فوارہ بہنا شروع ہوا۔ حافظ صاحب کا زخم سے چور ہو کر گرنا تھا اور حضرت امام ربانی کا لپک کر تڑپتی نعش کا کاندھے پر اُٹھانا۔ قریب کی مسجد میں لائے اور حضرت کا سر اپنے زانو پر رکھکر تلاوت قرآن میں مشغول ہو گئے۔

دیکھنے والوں سے سُنا ہے کہ حضرت مولانا کی اِس مردانگی پر تعجب تھا کہ کس اطمینان کے ساتھ سنسان مسجد میں تنہا بیٹھے ہوئے اپنے نور دیدہ چچا کے سفر آخرت کا سماں دیکھ رہے اور اپنے عاشق محبوب کی نزع کا آخری وقت نظارہ کر رہے تھے۔ آنکھوں میں آنسو تھے اور زبان پر کلام اللہ یہانتک کہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آپ کے زانو پر سر رکھے رکھے وصال ہوگیا اور حضرت مولانا چچا کی وصیت کو پورا کرنے کے باعث مسرور ہو کر باطمینان اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بزرگوں سے سُنا ہے کہ حضرت حافظ صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تمامی نسبت حضرت قدس سرہ کی طرف منتقل ہوئی۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

اللہ اللہ جس بزرگ نے دس برس ہوئے اعلیحضرت سے سفارش کر کے حضرت مولانا کو بیعت کرایا اور اعانت کے ایک کلمۃ الخیر سے ہمدردی ظاہر فرمائی تھی وہ قدسی نفس مریاآخری وقت میں اُس آخری خدمت کا انجام دینے

کے لئے قدرت کی طرف سے تجویز ہوا تھا جس میں نہ کوئی پاس تھا نہ قریب۔ یگانہ تھا نہ بیگانہ۔ آخر جب مفسدوں کی معرکہ آرائی سے چھٹکارا ملا تو حضرت اپنے شہید وقار روحانی مربی کی نعش کو کاندھے پر لیکر اُٹھے اور چارپائی پر لٹا کر یکے بعد دیگرے تھانہ میں بسمت مغرب زمین کی گود کے حوالہ کیا۔

جب بغاوت وفساد کا قصہ فرو ہوا اور رحمدل گورنمنٹ کی حکومت نے دوبارہ غلبہ پاکر باغیوں کی سرکوبی شروع کی تو جن بزدل مفسدوں کو سوائے اسکے اپنی رہائی کا کوئی چارہ نہ تھا کہ جھوٹی سچی تہمتوں اور مخبری کے پیشہ سے سرکاری خیر خواہ اپنے کو ظاہر کریں اُنہوں نے اپنا رنگ جمایا اور ان گوشہ نشین حضرات پر بھی بغاوت کا الزام لگایا اور یہ مخبری کی کہ تھانہ کے فساد میں اصل الاصول یہی لوگ تھے اور شاملی کی تحصیل پر حملہ کرنے والا بھی گروہ تھا بستی کی دو کانوں کے چھپر انہوں نے تحصیل کے دروازہ پر جمع کئے اور اُس میں آگ لگادی یہاں تک کہ جسوقت آدھے کواڑ جل گئے ابھی آگ بجھنے بھی نہ پائی تھی کہ ان نڈر ملانوں نے جلتی آگ میں قدم بڑھائے اور بھڑکتے ہوئے شعلوں میں گھسکر خزانہ سرکار کو لوٹا تھا حالانکہ یہ کمل پوش فاقہ کش نفس کُش حضرات فساد و سے کوسوں دور تھے ملک ومال کے جھگڑے اگر سر رکھتے تو یہ صورت ہی کیوں ہوتی کوئی کہیں کا ڈپٹی ہوتا اور کوئی کسی جگہہ کا صدر الصدور۔ کچہری کے عالیشان کمرے اور عدالت کے وسیع اور اونچی چھتوں والے مکانات کو چھوڑ کر قبر کی تنگی یاد دلانے والے حجروں اور کھرّے بوریہ کے فرش والے تاریک گوشوں میں کیوں پڑتے

مگر ؎ کون سنتا ہے کہانی میری اور پھر وہ بھی زبانی میری

بڑی مصیبت یہ تھی کہ حکام کے سامنے جانے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا ملزم ومجرم بننے کا موقع ہی نہیں ملا کہ برات اور صفائی کا طریقہ معلوم ہو۔ نہ اتنی دنیاوی عزت کہ جسکا کوئی لحاظ کرے نہ وہ چھل بل اور بے تکان لسانی کہ جسکا پاس ہو۔ نہ پاس روپیہ کہ بذریعہ وکالت اس الزام کو اُٹھائیں اور خرچ کریں نہ ایسی اندھی جنگ بغاوت کبھی دیکھی یا سُنی کہ جسکے نتیجہ سے کچھ بھی واقفیت ہوتی آخر با دل دردمند اپنے مالک جل و علی شانہ کی طرف متوجہ ہوئے اور جو حکم غیب سے صادر ہو اُسپر کاربند ہونے کے منتظر و آمادہ۔ حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ سچ سچ ہو کر رہا اور جھوٹ جھوٹ ان حضرات پر اتہام کا بحمد اللہ کوئی ثمرہ مرتب نہوا گو خدائی آزمائش میں جھڑ جھڑائے گئے۔ پریشانیاں اُٹھائیں کو فت سہی روپوش رہے مگر انجام کار حق کو غلبہ ہوا اور "دودھ کا دودھ پانی کا پانی" ان پاک نفوس اور ملکوتی صفات بدنوں پر آنچ نہ آئی۔

اعلیحضرت قدس سرہ نے اسی قصہ میں اپنے شیدائی بچوں یعنی مولانا قاسم العلوم اور خلف الرشید امام

ربّانی کو الوداع کہا کہ اب ارض ہند ہیں یکجائی فلک کو ناگوار ہے اور یہ دونوں لاڈلے بچہ اپنے غمخوار روحانی باپ سے بادل ناخواستہ تن بہ تقدیر رخصت ہوئے۔ اعلیٰحضرت نے چند ماہ انبالہ تگری پنجلاسہ وغیرہا مواضع و قصبات میں اپنے آپکو چھپایا اور آخر براہ سندھ و کراچی عرب کا راستہ لیا۔ ہندوستان کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہی اور ہوائی جہاز پر سوار ہو کر مکہ معظمہ پونہچے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیوبند اور امام ربانی قدس سرہ نے گنگوہ مراجعت فرمائی۔

اِنہیں ایّام روپوشی میں مولانا قاسم العلوم کو آملیا گتھلہ۔ لاڈوہ۔ پنجلاسہ اور جمنا پار کئی دفعہ آنے جانے کا اتفاق ہوا اور امام ربانی قدس سرہ نے قیام زیادہ تر گنگوہ یا رامپور میں کیا مگر اپنے ہادیٔ برحق کی ہندوستان میں آخری زیارت کے شوق سے بیتاب ہو کر انبالہ تگری اور پنجلاسہ کے سفر کو اٹھے اور مستور الحال مخفی طور پر اِس حق کو ادا فرما کر واپس وطن ہوئے اِس زمانہ کی کیفیات ایسی عجیب و غریب گزری ہیں کہ اگر کھلی کرامتوں کے ذکر پر اکتفا کیا جائے تو کئی ورق چاہئیں اِس لئے انکو تفصیلاً چھوڑتا ہوں اور ضروری مضمون پر اکتفا کرتا ہوں

تینوں حضرات کے نام چونکہ وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے اور گرفتار کنندہ کے لئے صلہ تجویز ہو چکا تھا اِسلئے لوگ تلاش میں ساعی اور حراست کی تگ و دو میں پھرتے تھے اعلیٰحضرت نے وطن کو خیرباد کہی اور نیت حرمین گھر سے باہر نکلے چونکہ مولانا گنگوہی سے زیادہ تعلق تھا اس لئے آخری ملاقات ہند کے لئے گنگوہ تشریف لائے۔ اُسوقت حضرت مولانا قدس سرہ کی عفت مآب صاحبزادی یعنی حافظ محمد یعقوب صاحب کی والدہ ماجدہ کی عمر دو سال کی تھی جسوقت پنجلاسہ ضلع انبالہ میں پونہچے ہیں تو راؤ عبداللہ خان رئیس کے اصطبل اسپان کی ویران و تاریک کوٹھری میں مقیم تھے ایک روز اُسی کوٹھری میں وضو فرما کر چاشت کی نماز کے ارادہ سے مصلّٰی بچھایا اور جان نثار حضار جلسہ سے فرمایا کہ آپ لوگ جائیں میں نفلیں پڑھ لوں۔ راؤ عبداللہ خان اعلیٰحضرت کے بڑے جاں نثار خادم اور مشہور مریدوں میں گھر کے خوشحال زمیندار اور سرکار کے نزدیک با وجاہت شخص سمجھے جاتے تھے۔ سمجھتے تھے کہ اعلیٰحضرت پر جو الزام لگایا گیا ہے اسکے قائم ہوتے اپنا مکان کھولدینا دنیاوی حیثیت سے کسقدر خطرناک ہے کیونکہ باغی کی اعانت بھی سرکاری بغاوت میں شمار ہے مگر اسکے ساتھ ہی غلبہ حب دین اور فرط عشق میں اس درجہ مغلوب تھے کہ نہ مال کی پروا تھی نہ جان کی۔ خدا کی شان کہ جسوقت راؤ عبداللہ خان اعلیٰحضرت کو تحریمہ باندھے نوافل میں مشغول چھوڑ کر کوٹھری سے باہر نکلے اور پٹ بند کر کے اصطبل کے دروازہ کے قریب پونہچے ہیں تو سامنے سے دو شخص کو آتے دیکھا اور ہکا بکا ششدر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

خدا جانے مخبر کون اور کس بلا کا پتلہ تھا جس نے عین وقت پر روپوشی کی کوٹھری تک معین کر دی تھی چنانچہ دوِش اصطبل کے پاس پونہچی اور افسر نے مسکرا کر راؤ صاحب سے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں گویا اپنے ناوقت آنے کی وجہ کو چھپایا۔ جہاں دیدہ و تجربہ کار راؤ صاحب دور ہی سے تاڑ گئے تھے کہ "ایں گل دیگر شگفت" مگر ہائے اندن نہ جائے رفتن اپنی جان یا عزت کے جانے ریاست و زمینداری کے ملیامیٹ ہونے اور ہتھکڑیاں پہنکر جیلخانہ پونہچنے یا پھانسی پر چڑھکر عالم آخرت کا سفر کرنے کی تو مطلق پروا نہ تھی اگر فکر و رنج یا حزن و افسوس تھا تو یہ کہ ہائے غلام کے گھر سے اور آقا گرفتار ہو اور عبد اللہ خان کی نظر کے سامنے اُسکا جان سے زیادہ عزیز شیخ پابزنجیر کیا جائے مگر اسکے ساتھ ہی راؤ صاحب اک جوانمرد مستقل مزاج نہایت دلیر اور قوی القلب راجپوت تھے تشویش کو دل میں دابا اور چہرہ یا اعضا پر کوئی بھی اثر اضطراب کا محسوس نہ ہونے دیا مُسکرا کر جواب دیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

دُوِش کا افسر گھوڑے سے اُترا اور یہ کہکر کہ "میں نے آپ کے یہاں ایک گھوڑے کی تعریف سُنی ہے اِسلئے بلا اطلاع یکایک آنے کا اتفاق ہوا" اصطبل کی جانب قدم اُٹھائے۔ راؤ صاحب "بہت اچھا" کہکر ساتھ ساتھ ہو لئے اور نہایت ہی اطمینان کے ساتھ گھوڑوں کی سیر کرانی شروع کی۔ افسر بار بار راؤ صاحب کے چہرہ پر نگاہ جماتا اور اس درجہ مطمئن پا کر کبھی مخبر کی دروغگوئی کا غصہ اور گاہے اپنی ناکامی و تکلیف سفر کا افسوس لاتا تھا یہانتک کہ گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتا ہوا حاکم اُس حُجرہ کی طرف بڑھا جس میں اعلیحضرت کی سکونت کا مخبر نے پورا پتہ دیا تھا اور یہ کہکر کہ "اِس کوٹھری میں کیا گھاس بھری جاتی ہے" اُسکے پٹ کھولدئے راؤ عبد اللہ خاں کی اُسوقت جو حالت ہوئی ہوگی وہ اُنہیں کے دل سے پوچھا چاہئے سمجھتے تھے کہ تقدیر کے آخری فیصلہ کا وقت آگیا اور اپنا پیمانہ حیات لبریز ہو کر اُچھلا چاہتا ہے اِسلئے راضی برضا ہو کر "جی ہاں" کہا اور حکم گرفتاری کے منتظر کھڑے ہو گئے۔

خداوندی حفاظت کا کرشمہ دیکھئے کہ جسوقت کوٹھری کا دروازہ کھلا ہے تخت پر مصلیٰ ضرور بچھا ہوا تھا لوٹا رکھا ہوا اور نیچے وضو کا پانی البتہ بکھرا ہوا پڑا تھا مگر اعلیحضرت حاجی صاحب کا پتہ بھی نہ تھا۔ افسر متحیر و حیران اور راؤ عبد اللہ خان دل ہی دل میں شیخ کی عجیب کرامت پر فرحاں و شاداں کچھ عجیب سماں تھا کہ حاکم نہ کچھ دریافت کرتا ہی نہ استفسار کبھی اِدہر دیکھتا ہے کبھی اُدھر آخر مخبر کی دھوکہ دہی سمجھکر بات کو ٹالا اور کہا کہ خانصاحب "یہ لوٹا کیسا اور پانی کیوں پڑا ہے؟" راؤ صاحب بولے "جناب اِس جگہہ ہم مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور وضو میں مُنہ ہاتھ دھویا

کرتے ہیں چنانچہ ابھی آپ کے آنے سے دس منٹ قبل اُسی کی طیاری تھی"۔ افسر نے ہنسکر کہا کہ "آپ لوگوں کی نماز کے لئے تو مسجد ہے یا اصطبل کی کوٹھری"؟ راؤ صاحب نے فوراً جواب دیا کہ "جناب مسجد فرض نماز کے لئے ہے اور نفل نماز ایسی ہی چھپی جگہہ پڑھی جاتی ہے جہاں کسی کو پتہ بھی نہ چلے"۔ لاجواب جواب سُنکر افسر نے پٹ بند کردئے اور اصطبل کے چاروں طرف غایر نظر دوڑانے کے بعد باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو یہ کلمات کہکر رخصت ہوا "راؤ صاحب معاف کیجئے آپکو اسوقت ہماری وجہ سے بہت تکلیف اُٹھانا پڑی اور پھر بھی ہمیں کوئی گھوڑا پسند آیا"

راؤ عبداللہ خاں صاحب کی نظر سے دوِش کے سوار جب اوجھل ہو لئے تو واپس ہوئے اور کوٹھری کھولی دیکھا کہ اعلیحضرت نماز سے سلام پھیر چکے اور مصلّے پر مطمئن بیٹھے ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند میں روپوش تھے۔ ایک روز زنانہ مکان کے کوٹھے پر مردوں میں سے کوئی تھا نہیں زینہ میں آکر فرمایا "پردہ کرلو میں باہر جاتا ہوں" عورتوں سے رُک نہ سکے باہر چلے گئے۔ جارہے تھے کہ دَوِش راستہ میں ملی آپ ہی کی گرفتاری میں تھی۔ خدا کی شان ہے کہ ایک شخص نے آپ ہی سے پوچھا کہ "مولوی محمد قاسم کہاں ہیں؟" آپ نے ایک قدم آگے بڑھا کر پچھلے پاؤں کی جانب نظر ڈالی اور فرمایا "ابھی تو یہاں تھا" یہ فرماکر آپ آگے چلے گئے اور دَوِش نے مکان پر جاکر تلاشی لی آخر ناکام واپس ہوئے۔ ہرچند کہ یہ حضرات حقیقۃً بے گناہ تھے مگر دشمنوں کی یاوہ گوئی نے انکو باغی ومفسد اور مجرم وسرکاری خطاوار ٹھیرا رکھا تھا اِسلئے گرفتاری کی تلاش تھی مگر حق تعالیٰ کی حفاظت پر سر تھی اسلئے کوئی آنچ نہ آئی اور جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیرخواہ تھے تازیست خیرخواہ ہی ثابت رہے ہاں چند روز کی تفریق بین الاحباب مقدر تھی وہ اُٹھانی تھی سو اُٹھائی اور اس ضمن میں کرامات وخوارق عادات غیبی حفاظت کے سامان اور سچائی ثابت ہونے کے اسباب ظاہر ہوئے اِس قصہ کے بعد مولانا مسجد میں رہتے اور کوئی کسی قسم کا تعرض نہ کرتا تھا۔

حضرت امام ربانی قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب قدس سرّہ کو اِس سلسلہ میں امتحان کا بڑا مرحلہ طے کرنا تھا اسلئے گرفتار ہوئے اور چھ مہینے حوالات میں بھی رہے آخر جب تحقیقات اور پوری تفتیش وچھان بین کا لشمس فی نصف النہار ثابت ہوگیا کہ آپ پر جماعت مفسدین کی شرکت کا محض الزام ہی الزام اور بہتان ہی بہتان ہے اُسوقت رہا کئے گئے اور آپ بخیر وعافیت وطن مالوف کو واپس آئے۔

# گرفتاری و حوالات اور رہائی و براءت

| | | | |
|---|---|---|---|
| درد دل کا ہائے درماں لیجیے | باغ دیں کا ابر نیساں لیجیے | ڈالکر عالم کو چاہِ حزن میں | یوسفِ ثانی کو زنداں لیجیے |

اعلیٰحضرت سے رخصت ہوکر امام ربانی گنگوہ واپس ہوئے تو نہایت درجہ محزون و مغموم۔ اُس وقت سیکڑوں افواہیں رات دن میں مشہور ہوتیں اور ہزاروں جھوٹی سچی گپ شپ اُڑا کرتی تھیں۔ جدھر جائیے یہی تذکرہ کہ آج فلاں رئیس پھانسی دیا گیا اور فلاں شخص قتل کیا گیا اور جہاں دیکھیے یہی ذکر مذکور کہ وہ باغی سمجھا گیا اور اُسکو بجرم فساد سولی چڑھایا گیا۔ وہ روپوش ہے اور اُسکی تلاش ہے غرض ایسی گھبراہٹ کا گھمسان تھا کہ ہر عورت کو بیوہ ہوجانے کا ہر وقت خطرہ تھا اور ہر بچہ کو قدم قدم پر یتیم بنجانے کا اندیشہ و غم۔
حضرت مولانا کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ آپ کا نام بھی مشتبہ اور قابل اخذ مجرموں کی فہرست میں درج ہو چکا ہے اور آپکی گرفتاری و تلاش میں روش آیا چاہتی ہے مگر آپ تو کوہ استقلال بنے ہوئے خدا کے حکم پر راضی تھے اور سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اُسے اختیار ہے جو چاہے کرے اپنا تو بال برابر بھی فکر نہ تھا البتہ جب مفارقت احباب کا سماں بندھ جاتا تو آپکی زبان پر یہ قطعہ آجاتا۔ قطعہ

شَیْئَانِ لَوْ بَکَتِ الدِّمَاءَ عَلَیْہِمَا　　عَیْنَایَ حَتّٰی تُؤْذِنَا بِذَہَابِ
لَمْ یَبْلُغَا الْمِعْشَارَ مِنْ حَقَّیْہِمَا　　فَقْدُ الشَّبَابِ وَفُرْقَةُ الْأَحْبَابِ

سب سے زیادہ اپنے روحانی باپ اعلیٰحضرت کی مفارقت اور ہندوستان میں یتیم رہجانے کا غم تھا جو آپ کو کسی کروٹ چین نہ لینے دیتا تھا راتوں آپکو اس رنج میں نیند نہ آتی اور دنوں آپ اس دھن میں رہتے کہ کسی طرح اعلیٰحضرت کی ایک دفعہ اور زیارت کرلوں مگر جائیں تو کہاں جائیں اور ملیں تو کسطرح ملیں نہ اعلیٰحضرت کی کوئی جائے قیام معین نہ بحالت روپوشی کسی جگہہ کا تعین آخر شدہ شدہ آپکو پھلاسہ کا پتہ چلا اور آپ بسم اللہ کہکر گنگوہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ راتوں چلتے دنوں چھپتے خاردار جنگل پیدل قطع کرتے تگری پونہچے اور حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب رائپوری کے مکان پر مقیم ہوئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مولانا عبد الرحیم صاحب کو طفولیت میں حضرت امام ربانی کی زیارت ہوئی اور آفتاب عالم کو اپنے گھر کا مہمان بنا دیکھا۔
حضرت مولانا نے نہایت شفقت کے ساتھ آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا پڑھکر دم فرمائی۔

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مدظلہ کے والد ماجد راؤ اشرف علیخان گھری کے خوشحال زمیندار اور نہایت نیک خیال دیندار شخص تھے۔ راؤ صاحب کا حضرت مولانا سے کوئی تعارف نہ تھا مگر حسن اتفاق تھا کہ راؤ صاحب کو یہ انمول جواہرات گھر بیٹھے بلا طلب حاصل ہوئے اُسوقت مولانا عبدالرحیم صاحب کی عمر صرف تین یا چار سال کی تھی۔ راؤ صاحب نے کچھ عجیب اخلاص کے ساتھ مسافر مہمان کی مدارات کی اور شب کو بیعت کی درخواست کرنے لگے۔ حضرت مولانا نے انکار فرمایا اور کہا کہ اعلیحضرت ابھی تشریف فرما ہیں اگر یہ قصد ہے تو وقت کو غنیمت سمجھئے غرض راؤ صاحب نے آپکا ارشاد سر آنکھوں پر رکھا اور ساتھ ہی چلنے کے متمنی و عازم ہوئے۔ حضرت مولانا نے اپنی بے سروسامانی اور اندیشہ ناک حالت ظاہر فرما کر سمجھایا کہ بیعت قرین مصلحت نہیں البتہ اگلے دن آپ آئیں اعلیحضرت سے سفارش کا میں ذمہ دار ہوں چنانچہ ایک شب قیام فرما کر مولانا چلدئے اور اعلیحضرت کی زیارت سے مشرف ہوئے اگلے دن راؤ صاحب بھی حاضر آستانہ ہوئے اور حضرت مولانا کی تقریب سے ایسی حالت میں بیعت ہوئے جسکو سراسیمگی اور چل چلاؤ کی حالت کہا جاتا ہے۔ حضرت امام ربانی نے ہر چند اصرار کیا کہ بندہ کو ہمرکاب لیچلیں مگر اعلیحضرت نے نہ مانا اور یہ فرمایا کہ اسی طرح خدا کا حکم ہے "جاؤ تمہیں خدا کے سپرد کیا" آپکو وہاں سے رخصت فرما دیا۔ حضرت مولانا بادل ناخواستہ الفراق الفراق کہتے روانہ ہوئے اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اعلیحضرت نے تسلی و تشفی دی اور فرمایا "میاں رشید احمد تمسے تو حق تعالیٰ کو ابھی بہتیرے کام لینے ہیں گھبراؤ مت میں ہندوستان سے نکلتے وقت تمسے ضرور ملکر جاؤنگا خدا تمہاری عمر دراز کرے اور مراتب میں ترقی دے" اسکے بعد دیر تک چھاتی سے لگائے رکھا اور آخرکار پدرانہ شفقت اور مربیانہ محبت کے انداز پر خود بھی چشم نم ہوئے اور مولانا کو بھی رُلا یا۔

حضرت وہاں سے گنگوہ کی جانب واپس ہوئے یہاں دیکھا کہ بچہ بچہ پریشان حال اور آپ کا کنبہ کا کنبہ مضطرب و سراسیمہ ہے کیونکہ آپکی گرفتاری کا اشتہار ہو چکا تھا اور دوِش آیا چاہتی تھی چنانچہ اقارب کے اصرار سے آپ اپنی دادھیال یعنی قصبہ رامپور چلے گئے اور وہاں جناب حکیم ضیاء الدین صاحب مرحوم کے مکان پر قیام کیا چند ہی دن گزرے تھے کہ گارڈن کرنیل فرانسیسی غلام علی ساکن قصبہ ملی پور ضلع سہارنپور مخبر کو ستر سواروں کے ساتھ لیکر جنمیں چند مسلمان اور اکثر سکھ تھے گنگوہ پونہچا اور آتے ہی جاسوسانہ نظروں سے مولانا کی تلاش شروع کی ساری دوِش متفرق و منتشر ہو گئی اور ادہر اُدہر پھیلکر کونوں بچالوں اور مسجد و خانقاہ کے حجروں کو ڈھونڈنے لگی۔ حضرت مولانا کے غمگسار ماموں زاد بھائی بیچارے مولوی ابوالنصر صاحب

جو صورت و وضع میں بھی فی الجملہ حضرت سے مشابہت رکھتے تھے مسجد کے گوشہ میں گردن جھکائے مراقب بیٹھے تھے کہ دوڑ کے سپاہی نے گردن پر زور کا ہاتھ مارا اور قبضہ کر اس طرح پکارا "چل کھڑا ہو کیا گردن جھکائے بیٹھا ہے" مظلوم مولوی ابوالنصر نے گردن اُٹھائی اور پنجۂ اجل میں اپنے آپکو گرفتار دیکھکر جدھر اُس نے کہا چل کھڑے ہوئے۔ حضرت مولانا کے دروازہ پر انکو لاکر کھڑا کیا گیا اور کہا گیا کہ گھر کی تلاشی دلوا اور دکھا کہ کیا کیا ہتیار ہیں؟ عرصہ تک مولوی ابوالنصر صاحب مار کھاتے اور ذلت سہتے رہے مگر یہ نہ کہا کہ میں مولوی رشید احمد نہیں ہوں

آخر حاکم کو کسی انداز معلوم ہوا کہ یہ قیدی وہ نہیں ہے جسکی تلاش ہے صورت و وضع میں اشتباہ کے باعث انکو پکڑ لیا گیا اور اصل ملزم رامپور میں ہے اِسلئے اُنکو تو چھوڑ دیا گیا اور گھر کی۔ حجرہ کی تلاشی لیکر دوِش نے رامپور کا رُخ کیا۔ کہتے ہیں کہ رامپور کی مخبری کرنیوالا شخص حکیم احمد امیر بخش تھا واللہ اعلم بالصواب۔

دوِش رامپور پونہچی اور حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ حکیم ضیاء الدین صاحب کے مکان سے گرفتار ہوئے۔ تحقیق سے یہ زمانہ ۱۲۷۵ھ ہجری کا ختم یا ۱۲۷۶ھ ہجری کا شروع سال ہے جبکہ آپکی صاحبزادی صفیہ خاتون کی عمر تقریبًا دو سال کی تھی۔ چونکہ آپ نے اپنی گرفتاری اور حاکم کے حکم کی تعمیل میں دوِش کے ہمراہ چلنے سے کچھ بھی تامل یا اضطراب نہیں فرمایا اسلئے آپکو کسی قسم کی کوئی اذیت نہیں پونہچائی گئی اور نہ ذلیل سمجھا گیا۔ صرف آپ کے چاروں طرف محافظ پہرہ دار تعینات کر دیئے گئے اور بند بہل میں آپکو سوار کر سہارنپور چلتا کر دیا گیا۔ بیل تھے تیز رفتار اور حکم بھی تھا عجلت کا اسلئے کچی سڑک پر وہ غبار اُڑا کہ راستہ چلنے والوں کی آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ بیچارے مولوی ابوالنصر سراسیمہ و پریشان اور انکے بوڑھے باپ مولوی عبدالغنی صاحب جنھوں نے مولانا کو بیٹے کی طرح پرورش کیا بھا ننگے پاؤں پاپیادہ سواروں کی تیز رفتاری کا مقابلہ کرتے بہل کے پیچھے پیچھے آرہے تھے نہ تن بدن کی ہوش نہ جسم و جان کی خبر نہ یہ خیال کہ سہارنپور تک پیدل کیونکر پونہچنا ممکن ہے اور وہ بھی اتنا تیز۔ صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں عالم وحشت و پریشانی میں ڈوبے ہوئے غبار سے آنکھیں بند ببول کے کانٹوں سے پاؤں زخمی مدہوش و سرمست خاک بسر خدا جانے کہاں جارہے اور کہاں چل رہے تھے کہ آخر ایک جگہ بیہوش ہوکر گر پڑے اور محبوب کا رہا سہا اتنا ساتھ بھی چھوٹ گیا حضرت مولانا سہارنپور پونہچتے ہی جیلخانہ بھیجدیئے گئے اور حوالات میں بند ہوکر جنگی پہرہ کی نگرانی میں دیدیئے گئے۔

مولوی ابوالنصر کو جسوقت ہوش آیا تو پھر وہی دوڑنے کی دھن تھی اُفتاں و خیزاں سہارنپور پونہچے اور خدا خدا کرکے آبادی کی صورت نظر آئی۔ انکو تو آبادی سے کچھ لینا نہ تھا ایک رشید احمد کا دم چاہیے تھا اگر

وہ کہاں اور یہ کہاں - اِتنا تو انہوں نے سُن لیا کہ مولانا جیلخانہ میں ہیں کیونکہ سہارنپور کا ایک شیخ زادہ اکبر علی نام اُن لوگوں میں شامل تھا جو حضرت کے جیلخانہ تک پونہچانے کو مقرر ہوئے تھے چونکہ رحمدل مسلمان تھا اسلئے انکو بھونچکا ادہر اُدہر تکتا ہوا دیکھکر بولا کہ "مولوی رشید احمد کو جیلخانہ پونہچا کر آیا ہوں" اِن بیچاروں کو یہ بھی پتہ نہیں کہ جیلخانہ کدہر ہے اور اگر پتہ بھی ہوتا تو کرتے کیا جس اونچی چار دیواری کے کئی اندرونی حصوں کی بیچ والی کال کوٹھری میں کوئی مجرم محبوس ہو اُس سے باہر کھڑے ہوئے پردیسی کو واسطہ کیا آخر مایوس ہوکر رونے لگے اور سر پکڑ کر وہیں فرش خاک پر بیٹھ گئے۔ بیچارے اکبر علی کو بھی انپر رحم آیا اور وہ تسلّی کی باتیں کہنے لگا۔

قصہ مختصر مولوی ابو النصر گو خود بھوکے پیاسے تھے مگر سب سے زیادہ حضرت مولانا کا بھوکا ہونا انکو شاق تھا اسلئے انہوں نے ہر جگہہ خوشامد سے کام لیا اور نانوتہ کے کسی کیلی بردار کی معرفت حضرت کو کھانا پونہچایا گو وہاں سے کنکریوں پر کوئلہ سے لکھا ہوا یہ فقرہ ان کے پاس پونہچا کہ "کچھ مت گھبراؤ میں بحمداللہ آرام میں ہوں" مگر انکو اور نیز تمام متعلقین کو روتے روتے کئی دن گزر گئے۔

اُس پردہ نشین عورت کا کیا پوچھنا جسکے سر کا تاج دنیا اور دین کا آقا اِس حال میں گرفتار تھا جسکو دیکھکر ہر دیتاب ہوئے جاتے تھے مگر اللہ رے صبر و استقلال صغیر سن بچی یعنی حافظ محمد یعقوب صاحب سلمہ کی والدہ انکی گود میں تھی اور زبان پر خدا کی یاد عالم نظر میں تاریک اور دنیا میں چارطرف اندھیرا چھایا ہوا تھا مگر حق تعالےٰ کی رحمت سے مایوسی نہ تھی اپنے رنڈاپے اور چھوٹے سے دل والی نازک مزاج بچی کے یتیم ہوجانے کا گو فکر و افسوس ہو مگر مجال نہ تھی کہ کوئی شکوہ کا کلمہ منہ سے نکلے والدہ حافظ یعقوب فرمایا کرتی ہیں کہ "جسوقت یہ مار دھاڑ شروع ہوئی اور ہمارے دروازہ کے سامنے اور مسجد میں غل غپاڑا مچا ہے مجھے کوئی لڑکی گود میں لئے باہر کھڑی تھی وہ اِس ہولناک منظر کو دیکھکر چیخی اور کانپ اُٹھی بیشاب بھی خطا ہو گیا ایک بھول بھلیاں سی اتنی بات یاد ہے اور کچھ خبر نہیں" خدا مبارک کرے اِس حافظہ کو کہ ڈہائی سال کی عمر اور اتنی یادداشت۔

الغرض حضرت امام ربانی قدس سرہ کی اہلیہ حکیم صاحب کی والدہ ماجدہ ولیہ کاملہ تھیں جنکے صبر و استقلال کی آزمایش کے لئے یہ قصہ بس ہے کہ ابھی چند ماہ ہوئے مہربان باپ مولوی محمد تقی صاحب جھجر کی ریاست میں شہید ہو چکے تھے اور اب وہ پیارا شوہر جسکے دامن سے دنیا کی ایام گزاری وابستہ کی گئی تھی اس مصیبت میں گرفتار ہے کہ جان سکنے لالے پڑے ہوئے ہیں ہر لحظ حاکم کے حکم کا انتظار اور آخری فیصلہ کا اندیشہ و فکر دلپر سوار ہے کہ دیکھئے کیا ہو۔ گھر کی چار دیواری میں مقید و محروس پردہ نشین عفت مآب کیا کرے نہ ساتھ

دینے کے قابل ہے نہ کچہری میں حاضری کے لائق بس مکان کا کونہ تھا اور ہاتھ میں تسبیح آیۃ کریمہ کا ورد تھا اور دامن پھیلا پھیلا کر خدا سے دعائیں مانگنی۔

اِس جانگداز سانحہ کو کوئی بسط کے ساتھ کون سے قلم سے لکھے قصہ مختصر حضرت مولانا تین یا چار یوم کال کوٹھری میں اور پندرہ دن جیلخانہ کی حوالات میں مقید رہے تحقیقات پر تحقیقات اور پیشی پر پیشی ہوتی رہی آخر عدالت سے حکم ہوا کہ تھانہ بھون کا قصہ ہے اِسلئے مظفر نگر منتقل کیا جائے چنانچہ حضرت امام ربانی جنگی حراست اور ننگی تلواروں کے پہرہ میں براہ دیوبند دو پڑاؤ کر کے پاپیادہ مظفر نگر لائے گئے اور اب یہاں کے جیلخانہ میں حوالات کے اندر بند کر دئے گئے سُنا ہے کہ دیوبند کے قریب گزرنے پر مولانا قاسم العلوم نظر براہ راستہ سے کچھ ہٹکر بغرض ملاقات پہلے سے آکھڑے ہوئے تھے گو خود بھی مخدوش حالت میں تھے مگر بیتابی شوق نے اسوقت چھپنے نہ دیا دور ہی دور سے سلام ہوئے ایک نے دوسرے کو دیکھا مسکرائے اور اشاروں ہی اشاروں میں خدائے تعالیٰ کے وہ وعدے یاد دلائے جو سچے سرکاری خیرخواہوں کے لئے اور امتحانی مصیبتوں پر صبر و استقلال ظاہر کرنے والوں کے لئے انجام کار ودیعت رکھے گئے ہیں

مظفر نگر کے جیلخانہ میں حضرتؒ کو کم و بیش چھ ماہ رہنے کا اتفاق ہوا اس اثناء میں آپکی استقامت۔ جوانمردی استقلال۔ پختگی۔ توکل۔ رضا۔ تدین۔ اتقا۔ شجاعت۔ ہمت۔ اور سب پر طرہ حق تعالیٰ کی طاعت و محبت جو آپکی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے تھی اسدرجہ حیرت انگیز ثابت ہوئیں کہ جنکی نظیر نہیں نظر آتی۔ ابتدا سے لیکر انتہا تک ساری حراست کے زمانہ میں آپکی نماز ایک وقت کی قضا نہ ہوئی۔ جیلخانہ میں آپکو صاف ستھرا پانی مسلمان کے ہاتھوں وضو کے لئے برابر ملتا رہا۔ حوالات کے دوسرے قیدی اور مظلوم و ستم رسیدہ محبوسین کا گروہ آپکا معتقد ہو گیا اور اُن میں بہتیرے وہیں آپ سے بیعت ہوئے۔ آپ محبس کی کوٹھری میں بھی نماز باجماعت ادا کرتے اور ہر وقت اطمینان کے ساتھ ترقی درجات میں مشغول رہتے تھے۔ ارشاد ظاہری و باطنی کے افاضہ سے آپکو کسی دن غفلت نہ ہوئی وعظ اور پند و نصیحت کے ساتھ قرآن شریف کا ترجمہ لوگوں کو سناتے اور ایک وحدہ لاشریک خدا کی جانب رفقاء کو بلایا کرتے تھے کبھی ذکر میں مصروف ہوتے کبھی شغل میں کسی وقت صبر کی تعلیم دیتے اور کسی وقت شکر کی کبھی علم کا مذاق غالب ہوتا اور کبھی طریقت و سلوک کا جسوقت حاکم کے حکم سے عدالت میں بلائے جاتے تو ظاہر ہو کر بے تکلف گفتگو کرتے اور جو وہ دریافت کرتا بے تکلف اُسکا جواب دیتے تھے۔ آپ نے کبھی کوئی کلمہ دبا کر یا زبان کو موڑ کر نہیں کہا کسی وقت جان بچانے کے لئے تقیہ نہیں کیا جو بات کہی سچ کہی اور جس بات کا جواب دیا خدا کو حاضر ناظر سمجھکر بالکل واقع کے مطابق اور حقیقت حال کے موافق کبھی آپ سے سوال ہوا

کہ "رشید احمد تمنے مفسدوں کا ساتھ دیا اور فساد کیا؟" آپ جواب دیتے "ہمارا کام فساد کا نہیں نہ ہم مفسدوں کے ساتھی" کبھی دریافت ہوتا کہ "تمنے سرکار کے مقابلہ میں ہتیار اُٹھائے؟" آپ اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کرکے فرماتے کہ "ہمارا ہتھیار تو یہ ہے" کبھی حاکم دھمکاتا کہ ہم تمکو پوری سزا دینگے آپ فرماتے "کیا مضائقہ ہے مگر تحقیق کرکے" ایک مرتبہ حاکم نے پوچھا کہ "تمہارا پیشہ کیا ہے؟" آپنے فرمایا "کچھ بھی نہیں مگر زمینداری" غرض حاکم نے ہرچند تحقیق کیا اور تجسّس و تفتیش میں پوری کوشش صرف کردی مگر کچھ ثابت نہوا اور ہر بات کا معقول جواب پایا آخر بری کیے گئے اور فیصلہ سُنا دیا گیا کہ "رشید احمد رہا کئے گئے"۔

حضرت امام ربانی سے ایک مرتبہ کسی شخص نے دریافت کیا تھا کہ اعلیٰحضرت نے تو آپسے وعدہ فرمایا تھا کہ "اطمینان رکھو میں عرب روانہ ہوتے وقت تم سے ملکر جاؤنگا" مگر آپ گرفتاری و حوالات میں رہے آپکی رہائی سے قبل ہی اعلیٰحضرت نے بیت اللہ کی جانب ہجرت فرمائی گویا سائل کا مطلب یہ تھا کہ ملاقات کے خوشکن الفاظ محض تسلی کے لئے تھے جنکا وقوع نہیں ہوا۔ حضرت نے بہت ہی ہلکی آواز سے فرمایا "اعلیٰحضرت وعدہ خلاف نہ تھے" چنانچہ دوسرے طرق سے معلوم ہوا کہ باوجود سنگین پہرہ کے اعلیٰحضرت نے جیلخانہ کے اندر قدم رکھا اور گھنٹے باتیں کرکے شب ہی میں واپس ہوئے اور عرب کو روانہ ہوئے۔

مولوی ولایت حسین صاحب کی روایت ہے کہ حکیم صاحب جو اعلیٰحضرت کے مرید انبالہ کے رہنے والے بندہ کے ساتھ سفر حج میں شریک تھے فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں مولانا گنگوہی جیلخانہ میں تھے اعلیٰحضرت حاجی صاحب ایک دن فرمانے لگے کہ "میاں کچھ سُنا کیا مولوی رشید احمد کی پھانسی کا حکم ہوگیا؟" خدام نے عرض کیا کہ حضرت کچھ پتہ نہیں ابھی تک تو کوئی خبر آئی نہیں فرمایا "ہاں حکم ہوگیا چلو" یہ فرماکر اُٹھ کھڑے ہوئے حکیم صاحب کا بیان تھا کہ برسات کا زمانہ تھا مغرب کے بعد اعلیٰحضرت اور میں اور غالباً مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی غرض تین آدمی چلے شہر سے نکلکر تھوڑی دور جاکر اعلیٰحضرت زمین کی گھاس کے قدرتی سبز مخملی فرش پر بیٹھ گئے اور کچھ دیر سکوت فرماکر گردن اوپر اُٹھائی اور فرمایا "چلو مولوی رشید احمد کو کوئی شخص پھانسی نہیں دیسکتا خدائے تعالیٰ کو اُن سے ابھی بہت کچھ کام لینا ہے" چنانچہ چند روز بعد اُسکا ظہور ہوگیا والحمد للہ علیٰ ذالک۔

مولوی ابوالنصر اور انکے والد مولوی عبدالغنی صاحب معہ متعلقین احباب اقارب کے جو منظفرنگر میں پڑے جھٹکے کھارہے اور دربدر مارے پھرتے خاک اُڑاتے چھ ماہ گزار چکے تھے روح افزا حکم سُنتے ہی کِھل گئے اُداس چہرہ پر تازگی آگئی جسپر ہوائیاں اُڑ رہیں اور مُردنی چھائی ہوئی تھی وہ دل جو بند کلی کی طرح بند یا سوکھے

باسی پھول کی مانند مرجھایا پڑا تھا بادِ نسیم کے دوبارہ جلانے والے ٹھنڈے جھونکے سے پھر تازہ ہوگیا سپاہی کی خوشامد کر ہاتھ پاؤں جوڑ حکم رہائی کی تعمیل میں عجلت کے خواستگار ہوئے اور اپنے نور دیدہ محبوب کو جیل سے باہر نکال بہل پر سوار یہ جادہ جا بیچارے پریشان مولوی ابوالنصر جو پھونک پھونک کر قدم دھرتے اور چپہ چپہ پر ڈرتے اور کانپتے جاتے تھے اس درجہ متوحش تھے کہ درو دیوار دشمن ہیں مبادا تقدیر پلٹا کھائے اور پھر حکم نہ بدلجائے اسلئے چاہتے تھے کہ گھنٹہ کی جگہ ایک پل میں کسی طرح مولانا کو دشمنوں کی نظر سے اوجھل کردوں چنانچہ بہلبان سے کہہ دیا کہ جتنا تیز چلا جائے خدا کا نام لیکر چل اپنے جانور کی چال دکھا اور مجھسے انعام لے۔ بہل کے پردے ڈالدیئے اور اپنے قاضی الحاجات حلال المشکلات پروردگار کا شکریہ ادا کرتے گنگوہ پونہچے ؎

صد شکر خزاں خوردہ چمن ہوگیا شاداب　　آنکھوں کی گئی روشنی دوبارہ پلٹ آئی

سوکھے ہوئے دریا میں بموج نظر آیا　　رحمت کی گھٹا برسر گنگوہ سمٹ آئی

قصبہ کی گئی ہوئی رونق دوبارہ لوٹی اور بستی کی اجڑی ہوئی بہار نے دوبارہ پلٹا کھایا۔ آنسوؤں سے مانوس ہوجانے والی آنکھوں کا زایل شدہ نور پھر واپس ہوا اور مُردنی چھائے ہوئے چہروں والے مُردہ دلوں نے از سرِ نو زندگی پائی۔ درخت کے پتہ پتہ سے اِس گل گلستان شریعت کی آمد پر مسرت کا اظہار تھا اور درو دیوار وا مکانات کے گوشہ گوشہ سے مسیحا النفس شیخ کی تشریف آوری پر مبارکباد کی صدائیں تھیں کنبہ جمع ہوا دور دور سے دوست احباب آئے اقارب اکھٹے ہوئے اور قریب و بعید کے یگانہ رشتہ داروں نے زیارت کے شرف سے دامن بھرے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ جس مضمون میں جیل کی حراست سے قبل مشغول تھے اُسی میں مقفل حوالات اور سنگین پہرہ والی کوٹھری میں مصروف رہے اور رہائی کے بعد وطن پونہچکر بھی اُسی مشغلہ کی دُھن لگی چنانچہ آپ نے اپنی وہ خانقاہ جو آٹھ نو مہینے خبرگیری نہونے کے باعث اُجڑی پڑی تھی دوبارہ صاف کی اور اب درس جاری فرمادیا۔

اِس قصہ گرفتاری سے رہائی کے بعد حضرت امام ربانی باوجود ارشاد باطنی کے ظاہری علوم شرعیہ و فنون دینیہ کی تعلیم میں زیادہ تر مشغول ہوئے چند سال بعد جبکہ آپ تیسرے حج سے فارغ ہوکر ہندوستان پونہچے تو یہ مشغلہ اسقدر بڑھا کہ صحاح ستہ کے دورہ کا ایک سال میں ختم کرانے کا آپنے التزام کرلیا اور اس دینی خدمت کے لئے اپنے نفس کو وقف بناکر گویا چار طرف اعلان دیدیا کہ جسکو دین حاصل کرنا اور حدیث کا پڑھنا ہو آئے لطحائی پیغمبر کے لگائے ہوئے باغ کا دروازہ کھولدیا گیا اور حق تعالیٰ کی اخروی لذیذ نعمتوں کا دسترخوان بچھادیا گیا ہے

لیکے اور جسقدر کھایا جائے کھائے۔ حجت اللہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے سلسلۂ روحانی کا سچا جانشین جسوقت مسند خلافت کا صدر نشین ہوا ہے حق تعالیٰ کے غیبی فرشتوں نے منادی پھیر دی اور اطراف ہند بر نہما و سندھ پورب و بنگال پچھم و پنجاب مدراس و دکن برار و ممالک متوسط کابل و افغانستان کے بلاد متفرقہ میں ایک کھل بلی مچگئی۔ گروہا گروہ طلبہ گنگوہ میں آنے لگے۔ آپکے پاس پندرہ بیس سے لیکر ستر اسی تک کا ہر برس مجمع ہوتا اور ایک گروہ دوسرے گروہ کو اپنا جانشین بناکر سالانہ چلا جاتا اور ادہر اُدہر منتشر ہو جاتا تھا۔

دینی تعلیم و تدریس کا سلسلہ امام ربانی کے گھر بار دربار میں اُسی وقت شروع ہوگیا تھا جبکہ آپ دہلی سے فارغ التحصیل ہوکر گنگوہ پونہچے اور سب سے اول مولوی سید مومن علی صاحب کو شرح جامی کا سبق شروع کرایا۔ اِس زمانہ یعنی ۱۲۶۵ھ ہجری سے لیکر ۱۳۱۴ھ ہجری کے شروع تک جسکی مدت ایک کم پچاس سال ہوتی ہے آپ کے پاس اِدہر اُدہر کے طالب علم آتے اور علم حاصل کرتے رہے اِسی مدت میں آپکو چند ماہ ملازمت بھی کرنی پڑی اِس میں غدر کے وقائع اور گرفتاری کی پریشانیاں پیش آئیں۔ اِسی میں سفر حج داخل ہیں اور اِسی میں وہ ریاضت و مجاہدہ شامل ہے جس نے آپکو قطبیت کے عالی رتبہ پر پونہچایا۔ انہیں ایام میں متعدد احباب و اقارب کی پے در پے اموات کے صدمے آپ نے اُٹھائے اور اِسی حال میں عام مخلوق کی جسمانی نفع رسانی یعنی طبابت کا مشغلہ رہا۔ غرض دین کی عقل اور معرفت کی سمجھ رکھنے والے اصحاب اسکو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ قدرت نے امام ربانی کو جس خدمت کے لئے دنیا میں بھیجا تھا اُسکی تکمیل کے لئے آپکو استقامت کا وہ مضبوط پہلو بخشا تھا جسکے ریشہ ریشہ میں حق طلبی اور رضا بر قضا چمک رہی تھی۔ حضرت امام ربانی کی پاک زندگی ایک ایک دن ہوکر جس اطاعت حق اور اصلاح خلق میں صرف ہوئی اُسکو قسام ازل نے ایسی عجیب ترتیب پر منقسم فرمایا تھا جو اپنے اسلوب و طرز میں یکتا اور لاثانی ہے۔

اپنی ذاتی اصلاح کے لئے جس ترتیب کی حاجت تھی وہ اِس طرح پوری ہوئی کہ اول اُردو اور فارسی کی تعلیم اور اِسی کے ساتھ ساتھ نماز کے طریقے اور دین کی ابتدائی ضرورتوں کا تکملہ وطن میں ہوا۔ پھر علم شریعت کی تحصیل کے لئے وطن چھوڑنا اور دہلی جانا پڑا۔ اِس سے فارغ ہوئے تو عملی صورت میں مناکحت و ازدواج کا ظہور ہوا۔ اِسکے متصل ہی حفظ قرآن کی نعمت سے بہرہ یابی ہوئی۔ جسم و روح کی ظاہری اصلاح اور ضروری احتیاج سے فارغ ہوتے ہی باطنی علم کی تحصیل میں آپکو مشغول ہونا پڑا تھا۔ حاضر ہوکر بیعت

ہوئے اور چند روز میں حصول نسبت کی نعمت کاملہ سے بہرہ یابی ہوئی۔ اصلاح نفس کے جملہ مراحل طے ہونے کے بعد اب اصلاح غیر اور ہدایت خلق کا وقت آگیا اس میں بھی قانون قدرت نے تدریج ملحوظ فرمائی کہ اول جسمانی امراض کے ازالہ اور طب یونانی کی نفع رسانی سے ہندو و مسلمان۔ کفار اور باایمان بچے اور جوان مرد و زن غرض عام مخلوق فائز و کامیاب ہوئی۔ چند سال بعد اسکا سلسلہ بالکل منقطع ہوگیا اور ظاہری علم شرع کی تدریس نے زور پکڑا یہانتک کہ اس سلسلہ نے اپنے منتہی یعنی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پونہچکر اپنا ہی بنا لیا اور اس درجہ ترقی کی کہ ہر سال دورہ صحاح کے ختم ہونے سے دوسرے علوم دینیہ کے پڑھنے پڑھانے کا شغل بھی مغلوب بلکہ تقریباً معدوم ہوگیا۔ اور آخر کار عالم کی پیدایش کے مقصود اور شریعت کے ماحصل یعنی اصلاح باطن اور تعلیم سلوک کا زمانہ آگیا ایک لخت کتاب بند کر دی گئی اور روحانی افاضہ و استفاضہ نے اُس قوت کے ساتھ ترقی کی کہ آج اطراف عالم میں نگاہ اٹھاکر دیکھا جائے تو کیا عجب ہے کہ "دنیا میں لاثانی" ہونیکا دعویٰ مبالغہ نہو اسی پاک خلاصہ پر آپکی چند روزہ حیات ختم ہوگئی اور آپکو اپنے پیدا کرنے والے مہربان خدا سے لقا حاصل ہوئی رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

# تدریس و دورہ حدیث

تھے ساقی میخانہ علم شہ ابرار — اور ماہ تمام فلک دین عرب تھے
گنگوہ میں دربار حدیث نبوی کے — سرتاج رشید احمد ذی شان و ادب تھے

جس نے ہرے بھرے محمدی باغ اور سرسبز و شاداب احمدی گلشن کے مہکنے والے پھولوں اور کھلنے والے ہنس مکھ غنچوں کی عطر آمیز خوشبوؤں کو کبھی سونگھا ہوگا وہ خوب سمجھتا ہوگا کہ شریعت بیضاء کے اصل الاصول مقدس و پاکیزہ فن حدیث کا درس کیا نعمت ہے۔ اور پھر درس بھی وہ جسکو منفعت عامہ کے اعتبار سے ابر نیساں کی دھواں دھار بارش اور تقارب و روانی کی حیثیت سے دریائے مواج و بحر تلاطم کی دلکش لہریں کہا جائے تو مناسب ہے۔ جس خوش نصیب طالب علم نے اُس بلبل چمنستان حدیث کی نواسنجیاں سُنی ہیں اور جس میمون قسمت میہمان رسول کو اُس کشورستان والی مملکت تبحر کے خوان حدیث پر اقوال رسول کی لذیذ نعمتیں کھانی نصیب ہوئی ہیں اُن کے دل سے پوچھئے کہ وہ کیف کیا تھا جو قطب گنگوہی کے دربار عام و درسگاہ حدیث خیر الانام میں بیٹھکر قلب کو حاصل ہوتا تھا اور وہ کیا مٹھاس و حلاوت تھی جسکو آج روتے ہو۔ چراغ لئے ڈھونڈھتے پھرتے ہو مگر سوائے یاس و ناامیدی کچھ نہیں پاتے ہو۔